نقد و نظر

نقد و نظر

تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

کامیاب انسان

مؤلف: مولوی محمد صدیق وارث صاحب۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مولانا محمد وارث عمر، مدرس جامعہ دارالعلوم اسلامی مشن بہاولپور۔ رابطہ نمبر: 0307-7799442

زیر تبصرہ کتاب انسان سازی، تعمیرِ شخصیت، دینی و دنیاوی کامیابی کے راہنما اصولوں، اور زرّیں اقوال پر مشتمل مجموعہ ہے، جو ایک طالب علم کے مختلف کتب کے مطالعہ اور فہم کا ماحصل، نتیجہ اور نچوڑ ہے۔ اپنے مطالعہ اور فہم کے مطابق انہوں نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ایک کامیاب انسان کیسا ہونا چاہیے؟ اس میں کیا کیا صفات ہونی چاہئیں؟ اسے دینی اور دنیاوی اعتبار سے کن صفات کا حامل ہونا چاہیے؟ کتاب چار بڑے عناوین اور حصوں میں تقسیم ہے: ۱- حصہ اول: تعیینِ منزل۔ حصہ دوم: تعمیرِ شخصیت۔ حصہ سوم: کامیابی۔ حصہ چہارم: تعیینِ منزل میں معاون چیزیں۔ پھر ہر حصہ میں مزید بنیادی، مرکزی اور ذیلی عنوانات ہیں۔

کتاب کا بیشتر مواد اور مندرجات دینی سوچ کے عکاس اور مثبت دینی رہنمائی پر مشتمل ہیں اور کتاب کا موضوع بھی بایں طور دلچسپ ہے کہ یہ ایک حوصلہ افزا اور موٹیویشنل کتاب ہے، جس کا آج کے معاشرے میں بڑا چلن اور رواج ہے، بایں ہمہ واضح رہے کہ اس کتاب میں ذکر کردہ اقوال و افکار اور نتائج ایک طالب علم کے اپنے مطالعہ اور فہم کا انتخاب اور نتیجہ ہیں، جو بہت سوں کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا سبب بھی بن سکتے ہیں، مگر کتاب پڑھتے ہوئے احتیاط کی بھی ضرورت ہے۔ اس حوالہ سے ایک دو گزارشات ہیں:

صفحہ: ۱۳۷ پر نپولین ہل کی کتاب ''سوچیے اور دولت کمائیے'' کو تعمیرِ شخصیت کی بہترین کتابوں میں شامل کیا گیا ہے، جاننے والے جانتے ہیں کہ نپولین ہل یا اس جیسے بے دین اور دہری موٹیویشنل مصنفین کی کتابوں اور نظریات سے مادیت اور دہریت کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، دین یا آخرت کی کامیابی ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے یا بالکل بے حیثیت ہو جاتی ہے۔ یہ مصنفین اپنی کتابوں میں میٹھا زہر خوبصورت برتنوں میں پیش کرتے ہیں، اس طرح کی مادہ پرست موٹیویشنل کتابوں سے ''خذ ما صفا و دع ماکدر'' کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے کامیابی سے کوئی بات لینا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی، چہ جائے کہ اس کو پڑھنے کا عمومی مشورہ دیا جائے۔ مغرب میں ایسے ہی مصنفین اور اسپیکر مادیت اور دہریت کی تبلیغ و ترویج

بولنے میں (جب کہ بضرورت بولنا پڑے) نزاکت مت کرو، (اس سے) ایسے شخص کو (طبعاً) خیال (فاسد پیدا) ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ (عفت) کے موافق بات کہو۔'' (بیان القرآن)

''غمز عیون البصائر'' میں ہے:

''وصوتها عورة في قول في شرح المنية، الأشبه أن صوتها ليس بعورة وإنما يؤدي إلى الفتنة وفي النوازل نغمة المرأة عورة و بنى عليه أن تعلمها القرآن من المرأة أحب إلي من تعلمها من الأعمٰى، ولذا قال عليه الصلاة والسلام: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء، فلايجوز أن يسمعها الرجل ، كذا في الفتح (مم) .'' (غمز عیون البصائر، ج:۳،ص:۳۸۳)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد انعام الحق	محمد ابراہیم فضل خالق
الجواب صحیح		دارالافتاء
محمد عبد القادر		جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

..... ❋ ..... ❋ ..... ❋ .....

خواتین کی آواز کا پردہ

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

کیا آواز کے پردے کا حکم قرآن پاک یا احادیثِ شریفہ میں ہے؟ اور وہ خواتین جو مرد حضرات کے ساتھ یونیورسٹی وغیرہ میں تعلیم حاصل کرتی ہیں، وہ اگرچہ مرد حضرات سے کوئی بات نہ بھی کریں تب بھی آواز کا پردہ برقرار نہیں رکھ پاتی ہیں، کلاس میں سوال و جواب یا پریزینٹیشن وغیرہ میں انہیں سامنے آکر بولنا ہی ہوتا ہے، کیا اس صورت میں گناہ ہوگا؟

الجواب حامدًا و مصليًا

صورتِ مسئولہ میں راجح قول کے مطابق عورت کی آواز پردے کے حکم میں داخل نہیں ہے، لیکن چونکہ عورت کی آواز فتنہ کا باعث بن سکتی ہے، اس لیے بلاضرورت غیر مردوں سے بات چیت سے اجتناب کیا جائے، البتہ اگر بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پردے میں رہ کر سنجیدہ اور استغناء بھرے لب ولہجہ کے ساتھ دوٹوک اور بقدرِ ضرورت بات کرنا چاہیے، تاکہ مخاطب مرد کے دل میں غلط طمع، رغبت اور کھوٹ پیدا نہ ہو۔ اس محتاط اندازِ گفتگو کی صورت میں کوئی گناہ بھی نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

’’يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا‘‘ (الاحزاب:۳۲)

’’اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم (نامحرم مرد سے)

ہے کہ اپنی پیدائش سے لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کے وصال تک ان کے شب و روز اپنے نانا شیخ الحدیث کے زیر تربیت وزیر سایہ گزرے۔ ان کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ درس وتدریس، تصوف وتبلیغ، تصنیف وتالیف، مظاہر علوم کے نظم ونسق میں حضرت شیخ الحدیث کی روایات کا پرتو لیے ہوئے تھے۔ مظاہر علوم کی تعمیر وترقی، تعلیمی وتربیتی ماحول کو وہ عروج بخشا جو آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ بیک وقت مظاہر علوم کی نظامت اور نظام الدین دہلی کے تبلیغی مرکز کی خدمت دونوں کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔ مظاہر علوم اور نظام الدین کے معاملات کے مدوجزر میں بہت ہی امن وسلامتی، دور بینی اور بیدار مغزی اور بالغ نظری سے حالات کی کشتی کو صحیح سمت اور منزل پر جا کر اُتارا۔

جامعہ مظاہر علوم کی تاریخ، اس کی خدمات، مظاہر علوم کے فضلاء کے حالات وواقعات پر ایسی شاندار اور وقیع کئی کتابیں تحریر کیں جو تاریخ میں اپنے مثالی کردار کی حامل ہیں۔ مظاہر علوم کی تاسیس سے لے کر اس وقت تک کی مکمل تاریخ کا ایسا نقشہ قلم بند کیا کہ برصغیر کی پوری تاریخ کا خلاصہ بھی قلم بند ہو گیا۔ آپؒ تاریخ مظاہر اور خدمات مظاہر پر کلید کی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ کے بیرون کے بہت تبلیغی اسفار ہوئے، جہاں تشریف لے جاتے اپنی باغ وبہار شخصیت کی یادیں چھوڑ آتے۔ ان کا تبلیغی وعلمی بہت بڑا حلقہ تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کی علمی جانشینی اور ان کے خاندان کے جملہ اکابر کی روایات کے آپ علمبردار تھے اور اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ عبقری انسان تھے۔ شب وروز دینی تعلیم کو ترویج دینے اور پروان چڑھانے میں آپ کا ایک مثالی کردار رہا، درجنوں کتابیں آپ کی قلمی یادگار ہیں، جس میں بعض کئی جلدوں میں ہیں۔ ۱۹۹۳ء سے جامعہ مظاہر علوم کے امین عام تھے، اس وقت اپنے حالاتِ زندگی ''حیاتِ مستعار'' کے نام سے لکھ رہے تھے، جس کی تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، چوتھی اور آخری جلد زیر تصنیف تھی، جامعہ مظاہر علوم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے باہمی تعلقات پر ایک دستاویزی کتاب ''دو علمی آبشار'' طباعت کے لیے پریس جا چکی ہے۔ ماہنامہ مظاہر علوم کے مدیر مولانا عبداللہ خالد قاسمی، مولانا شاہد سہارن پوری جامعہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ کی بابت لکھتے ہیں کہ: ''مدرسہ کے داخلی وخارجی معاملات ومسائل پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، طلبہ کے مسائل، تعلیمی سرگرمیوں پر نظر، اس کے استحکام کے لیے مسلسل کوشش، مدرسہ کے مالیاتی نظام کو باریک بینی سے دیکھنا اور اس کے سلسلہ میں صائب اور درست فیصلے کرنا، یہ وہ امتیازی خصوصیت تھی جن کی بنا پر برملا یہ کہا جاتا ہے کہ مظاہر علوم کی تاریخ میں ایسی جفاکش، محنتی اور تدبیر وتدبر کی حامل شخصیت نہیں گزری۔''

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، اور ان کے لواحقین، منتسبین اور عقیدت مندوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ بینات حضرت مولانا کے لواحقین سے تعزیت کا اظہار کرتا ہے اور قارئینِ بینات سے ان کے لیے ایصالِ ثواب کی درخواست کرتا ہے۔

مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ کی رحلت

محمد اعجاز مصطفیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے نواسہ، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم اعلیٰ کتبِ کثیرہ کے مصنف، نامور عالم دین حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارن پوریؒ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۴۵ھ مطابق ۶ اکتوبر ۲۰۲۳ء بروز جمعہ مغرب سے پہلے اس دنیائے رنگ وبو میں ۶۷ بہاریں گزار کر راہیِ عالمِ آخرت ہوگئے، إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ماأخذ ولهٗ ما أعطٰى وكل شيء عندهٗ بأجل مسمّٰى.

مولانا سید محمد شاہد ۲۱ جنوری ۱۹۵۱ء بروز جمعہ اپنے نانا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے گھر سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۸ جولائی ۱۹۵۶ء کو خانقاہ عالیہ رائے پور میں تعلیم کی بسم اللہ ہوئی۔ ۲۲ فروری ۱۹۶۰ء بروز جمعہ دعوت وتبلیغ کے امیر دوم حضرت جی مولانا محمد یوسف، امیر سوم حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی اور مولانا حکیم سید محمد ایوب کی موجودگی میں حفظ کی تکمیل ہوئی۔ کچھ عرصہ عصری تعلیم بھی حاصل کی۔ ۶ فروری ۱۹۶۶ء کو مظاہر علوم میں درجہ متوسطہ میں باضابطہ داخلہ ہوا اور اس سال رمضان المبارک کی تراویح میں مسجد حکیماں والی اپنی خاندانی مسجد میں قرآن مجید سنایا۔

۱۵ جنوری ۱۹۶۹ء کو مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔ شعبان ۱۳۹۰ھ، اکتوبر ۱۹۷۰ء میں مظاہر علوم سہارن پور سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کے ہاں بخاری شریف ومسلم شریف، مولانا محمد عاقل صاحب کے ہاں ابوداؤد اور نسائی شریف، مولانا مفتی مظفر حسین کے ہاں ترمذی شریف، مولانا اسعد اللہ صاحب کے پاس طحاوی شریف پڑھیں۔ اگلے سال دسمبر ۱۹۷۰ء سے اکتوبر ۱۹۷۱ء تک بیضاوی، مدارک، درمختار، ملاحسن، دیوان متنبی پڑھ کر تکمیل کا کورس مکمل کیا۔ شوال ۱۳۹۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۲ء سے مظاہر علوم میں تدریس کا آغاز کیا اور آخری دم تک مظاہر علوم ہی میں متوسطہ سے دورہ حدیث شریف تک اسباق پڑھائے۔ تدریس میں بھی مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری اپنے بزرگوں کی روایات کے امین رہے۔ مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری کو یہ اعزاز حاصل

شریعہ ایڈوائزری بورڈ کا ممبر نہ بننے دیا جائے۔

● مدارس کے اندر اکابرین کی مشاورت سے ایسا نظم بنایا جائے کہ کوئی نوجوان صاحبِ علم اپنے ''مفتی'' کے ٹائٹل کو استعمال کرتے ہوئے عوامی سطح پر جمہور علمائے کرام کی رائے سے نہ ہٹے، تاکہ عوام گمراہی سے بچے رہیں۔

● اسمارٹ فون سے متعلق اکابر علمائے کرام کی رائے کو پیشِ نظر رکھا جائے اور مدارس کے پاکیزہ ماحول کو اس سے دور رکھا جائے۔

● مدارس کے نصاب کی تبدیلی سے حتیٰ الامکان گریز کیا جائے اور اُن مدارس کی حوصلہ شکنی کی جائے جو کہ روایتی دینی کُتب کو فرسودہ بیان کر رہے ہیں۔ نیز نصاب میں تبدیلی ضرورت کے درجے میں ہونی چاہیے، مگر اس کے لیے وفاق المدارس کے متعلقہ فورم سے ہی رجوع کیا جائے اور اُنہی اکابرین کی سفارشات پر عمل کیا جائے جو کہ نصاب کمیٹی میں شامل ہیں۔

● انگریزی سکھانے کی آڑ میں ایسے علمائے کرام کہ جن کو انگریزی نہیں آتی، اُن کی ہرگز تحقیر نہ کی جائے، بلکہ نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ یہ سوچ رکھیں کہ اصل علم ان روایتی علمائے کرام اور مدارس کے مُدَرِّسین کے ہی پاس ہے، چہ جائے کہ اُن کی انگریزی نہ آنے کی وجہ سے تحقیر کی جائے۔

● دینی علوم حاصل کرنے کے لیے روایتی دینی کُتب پر ہی انحصار کیا جائے، چہ جائے کہ مستشرقین اور عصری دینی تعلیمی اداروں کی کُتب بنیادی مآخذ کے طور پر مدارس میں رائج کی جائیں۔

● معاشیات کے علوم کے لیے عالمی سائنسی و معاشی ماہرین کی تحقیق کو پڑھنے کو رواج دیا جائے اور اُن کی سائنسی تحقیق پر ہی مسئلہ کی بنیاد رکھی جائے اور غیر معیاری و غیر سائنسی تحقیق میں ہرگز ہرگز پاکستانی اور عالمی غیر معیاری سائنسی جرائد کو فوقیت نہ دی جائے، بلکہ ایسے تمام جرائد کی نشاندہی کر کے مدارس میں تخصص کے طلبائے کرام کو اُن جرائد میں چھاپنے کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے۔

● مسائل کا متبادل حل دیتے وقت شریعت کے احکامات کے دائرہ میں رہتے ہوئے متبادل حل ڈھونڈا جائے۔

یہ چند گزارشات تھیں جو کہ راقم نے مدارس سے متعلقہ حضرات کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے مدارسِ دینیہ کی ہر طرح سے حفاظت فرمائے، اور علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

صرف اُن کی معلومات پر اندھا اعتماد نہ کیا جائے، بلکہ سائنسی معلومات کئی عالمی سائنسی اور معاشی ماہرین سے لی جائیں، تاکہ مسئلہ کی سائنسی ماہیت سمجھنے میں کوئی پروپیگنڈہ شامل نہ ہو اور اصل سائنسی حوالہ جات کی جانچ پڑتال بھی کی جائے، پھر جا کر کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم کی جائے۔

● کچھ مدارس میں مناقشات (تھیسس ڈیفینس) کے حوالے سے جو نئی ترتیب شروع ہوئی ہے، اس میں محتاط رویہ اپنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ اگر عصری تعلیمی اداروں کی نہج پر کیا جائے گا تو ہم سب کو علم ہے کہ عالمی سائنسی دنیا میں ہمارے اسلامی ممالک کے عصری تعلیمی اداروں کی تحقیق کیا حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا مدارسِ دینیہ مناقشات کے عنوان سے عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصول دین کے معیارات کو اپنانے کے بجائے اپنی نہج پر قائم رہیں اور اس بات کی ذرہ برابر بھی کوشش اور فکر نہ کریں کہ دارالافتاء سے فارغ ہونے والے متخصصین حضرات اپنے فقہی تحقیقی مقالے پاکستانی غیر معیاری سائنسی جرائد یا عالمی غیر معیاری سائنسی جرائد میں شائع کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عصری تعلیمی اداروں کے بیشتر پروفیسر حضرات کی اپنی کوئی عالمی سائنسی حیثیت نہیں ہے اور وہ وہی غیر معیاری سائنسی تحقیق کا معیار مدارس میں بھی رواج دیں گے، لہٰذا پیسوں کے عوض کھلی رسائی والے جرائد، اور غیر معیاری سائنسی جرائد میں تحقیقی مقالے چھاپنے سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔

● مدارسِ دینیہ بذات خود کسی مسئلے میں فریق نہ بنیں، یعنی مدارسِ دینیہ سے وابستہ افراد کا کسی مسئلہ میں مفاد وابستہ نہ ہونا چاہیے، وگرنہ مدارسِ دینیہ کسی سائنسی مسئلہ میں غیر جانبدارانہ شرعی حکم نہ بتا سکیں گے۔

● جدید سائنسی مسائل بتاتے وقت اگر مدارسِ دینیہ نوجوان مفتیانِ کرام میں بنیادی سائنسی صلاحیت پیدا کر دیں کہ کس طریقے سے تعین کیا جائے گا کہ کون سی سائنسی تحقیق معیاری ہے اور کون سے سائنسدان عالمی طور پر مستند مانے جاتے ہیں تو اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ کسی بھی سائنسی مسئلے میں اس چیز کی اصل اور حقیقی ماہیت نکھر کر سامنے آئے گی جس سے مفتیانِ کرام کو صحیح مسئلہ اُمت کو بتانے میں سہولت ہوگی، ورنہ بتائے گئے مسئلہ کی سائنسی بنیاد کمزور اور درست نہ ہوگی۔

● مدارسِ دینیہ ٹیکنالوجی سے متعلق ایسے کورسز کروانے اور اس کے ذریعے سے پیسے کمانے کے طریقے نوجوان مفتیانِ کرام کو سکھانے سے اجتناب کریں جس ٹیکنالوجی کے مشتبہ ہونے کا شبہ ہے۔

● حکومتی شریعہ ایڈوائزری بورڈز میں صرف انہی لوگوں کو آگے جانے دیا جائے جو متصلّب ہوں اور جمہور اور اکابر حضرات کی رائے کو ہی فوقیت دی جائے۔ اگر تحقیق سے کسی شریعہ ایڈوائز کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ جمہور کی رائے سے ہٹ کر رائے اختیار کر رہے ہیں اور اپنے ایجنڈے کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے عہدے و حکومتی وسائل کو استعمال کر رہے ہیں تو اُن کے خلاف بڑے اکابرین کے مشورے سے تادِیبی کارروائی کے بارے میں سوچا جائے اور آئندہ کے لیے اُن کو

کہ دین دار طبقہ بھی یہ دنیاوی ڈگریاں لے سکتا ہے اور دنیاوی علوم میں کسی سے پیچھے نہیں۔ ہماری تشویش یہ ہے کہ ان نوجوان مفتیانِ کرام پر دنیاوی ڈگریوں اور ''ڈاکٹر'' جیسے القابات کا ایک سحر طاری کر دیا گیا ہے اور یہ نوجوان مفتیانِ کرام نے اب اپنے آپ کو دنیا دار ڈگری والوں کی طرح ڈھالنا شروع کر دیا ہے۔ ایسے نوجوان مفتیانِ کرام کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ نوجوان مفتیانِ کرام تو دین کی اصل نمائندگی کرنے والے ہیں، آپ دین کو مستحکم کرنے والے ہیں، دین کے سپاہی ہیں، آپ حضرات نے ہی اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنی ہے، لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ کو اپنی دینی نسبت ہونے پر فخر ہونا چاہیے، چہ جائیکہ ''مولانا'' اور ''مفتی'' کے القابات لگانے سے احتراز کیا کریں۔

خلاصۂ مضمون اور مدارس کو کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کے تدارک کے سلسلے میں چند گزارشات

خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ ہی وہ جگہیں ہیں جہاں پر دین اپنی اصل شکل میں موجود ہے اور اگلی نسل میں منتقل ہونے کا ذریعہ ہے۔ اگر ان مدارس کو اُن کی اصل شکل میں قائم رکھا گیا- جو کہ رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ- اور مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کا بروقت تدارک کیا گیا، تو ہم امید رکھتے ہیں کہ دین اپنی اصل شکل میں آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتا رہے گا۔ اس سلسلے میں بندہ نے مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں کے تدارک کے سلسلے میں چند گزارشات پیش کی ہیں، ان کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

- تحقیق کے عنوان سے مدارس میں غیر معیاری وغیر سائنسی تحقیق کو پنپنے نہ دیا جائے اور ایسے لوگوں اور اداروں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو کہ غیر معیاری وغیر سائنسی تحقیق ان مدارس میں رائج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
- اگر کوئی سائنسی تحقیقی موضوع ہے جس پر تحقیق جاری ہے تو ایسے تمام مباحث کو علمی حلقوں تک محدود رکھا جائے اور عوامی سطح پر حتمی رائے پیش کرنے سے گریز کیا جائے، تا آنکہ اس سائنسی مسئلے سے متعلق جمہور مفتیانِ کرام کی رائے نہ آجائے۔
- اگر جمہور مفتیانِ کرام کی رائے کسی مسئلے سے متعلق عدمِ جواز کی ہو تو تحقیق کی آڑ میں اس کے جواز کے دلائل کو کو عوامی سطح پر موضوعِ بحث نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی جائے، کیونکہ اس سے عوام کا مشتبہ چیزوں میں پڑنے کا اندیشہ ہوگا۔
- مدارس میں تحقیق کے حوالے سے ہرگز جمود نہ طاری کیا جائے، بلکہ جس طریقے سے مستند مدارس میں تحقیقی کام چل رہا ہے اس کو مزید پروان چڑھایا جائے۔ البتہ چونکہ مدارس ہی کے اندر کچھ ایسے ''ڈاکٹر'' حضرات بھی آچکے ہیں جن کے ذہن مغربیت سے متأثر ہیں اور جو جمہور علمائے کرام کی رائے سے ہٹ کر انفرادی رائے رکھتے ہیں جو کہ سائنسی طور پر بھی درست نہیں، لہٰذا اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ

الغرض یہ الفاظ اصطلاحی اعتبار سے ازراہِ احترام دین کے ماہر و مستند علماء کے لیے ایجاد و استعمال ہوتے تھے۔ فی زمانہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والا دین بیزار طبقہ، جو دین کو براہِ راست مطعون کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا، وہ علمائے دین سے تقدس واحترام کی چادر کھینچ کر اپنی مذہب بیزاری کی تسکین چاہتا ہے، اور یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ایسے علماء جو اپنے کردار وعمل کی بنا پر باطل کی آنکھوں کا کانٹا بنتے چلے آرہے ہوں، ہمیشہ سے باطل پرستوں کے نشانہ پر رہے ہیں، اور ان کے خلاف مختلف قسم کے پروپیگنڈے، الزامات اور بے توقیری کے القابات عام کیے جاتے ہیں، تاکہ عوام متنفر ہوکر ان سے دور ہوجائیں، اور علماء سے دوری، دین سے دوری کا باعث ثابت ہوتا ہے، اس طرح دین بیزار طبقہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیابی ڈھونڈتا چلا آرہا ہے۔'' (مفتی رفیق احمد بالاکوٹی مدظلہ، مولانا، ملا اور مولوی کی اصطلاحات، جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ، مارچ ۲۰۲۱ء)

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ القابات معزز ہیں اور اسلامی پیشواؤں کے لیے احترام وتعظیم کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور ان القابات کا استعمال صحیح جگہوں پر کرتے ہوئے اِحتراز نہیں کرنا چاہیے، البتہ ان القابات کے استعمال میں افراط وتفریط سے بھی گریز کرنا چاہیے، جیسا کہ تحریر ہے:

''آج کل ہمارے معاشرے میں مذہبی القاب کے استعمال کرنے میں جو بے اعتدالیاں پائی جارہی ہیں، وہ کسی پر اوجھل نہیں۔ نام کے آگے القابات پر القابات جڑ دیے جاتے ہیں، خواہ وہ شخص ان صفات کا حامل ہو یا نہ ہو۔ آئے روز نئے سے نئے اور بڑے سے بڑے القابات سامنے آتے ہیں، بعض اوقات تو جلسوں میں اور بعض دیگر مجالس میں امیروں، وزیروں، عہدیداروں، پیروں اور خصوصاً علماء کی تعریفوں میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں، مثلاً کسی کے لیے حجۃ الاسلام، کسی کے لیے شیخ الاسلام، کسی کے لیے شیخ الفقہ، کسی کے لیے شیخ الحدیث، کسی کے لیے مفتی اعظم، کسی کے لیے خطیب بے بدل، خطیبِ زماں، نمونۂ اسلاف، محققِ دوراں، محقق العصر، علامۃ العصر، محدث العصر، فقیہِ زماں، جامعِ علومِ عقلیہ ونقلیہ، شیخ المشائخ، اعلیٰ حضرت، مفکرِ اسلام، غزالیِ وقت، غزالیِ دوران، شہنشاہِ خطابت، محقق علی الاطلاق، محدثِ اعظم، شیخ الجامعہ، ولیِ کامل، رہبرِ شریعت، ثانیِ جنیدؒ، وغیرہ وغیرہ۔'' (مولانا سید محمد انور شاہ، مذہبی القابات اور ہماری بے اعتدالیاں، ماہنامہ بینات، ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ، اگست ۲۰۱۹ء)

ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بعض نوجوان مفتیانِ کرام بڑے فخر سے ''ڈاکٹر'' کے القابات اور مختلف عالمی شریعہ سرٹیفکیشن تو بہت فخریہ انداز میں اپنے نام سے پہلے استعمال کرتے ہیں، البتہ وہ ''مولانا''، اور ''مفتی'' کے القابات سے احتراز کرتے ہیں اور وہ یہ دنیاوی طبقہ کے اندر زیادہ کرتے ہیں اور غالباً وہاں ایسا کرنے سے ان میں سے کچھ حضرات کا مقصد یہ ہوتا ہوگا کہ وہ دنیادار طبقے کو باور کرواسکیں

ترغیب دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جب آپ مدرسہ کی تعلیم سے فارغ ہوجائیں تو آپ ہمارے جیسے بنیں اور وسعتِ نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے متحرک ہوں، اور ٹی وی پروگرامز اور مخلوط محفلوں میں شرکت کریں۔ آپ نوجوان علمائے کرام جب معاشرے میں مکمل طور پر Integrate گھل مل جائیں گے تو اس سے مدارسِ دینیہ کو تقویت ملے گی اور مدارس کا موقف میڈیا کے توسط سے عوام الناس تک آسانی سے پہنچے گا۔ اب جب نوجوان علمائے کرام اپنے سے بڑوں کو اس طرح کے ٹی وی پروگرامز اور مخلوط محفلوں میں جاتا دیکھتے ہیں تو وہ خود بھی اس عمل کو قابلِ رشک نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اسی طرز پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابتداء میں تو محض چند افراد ہی مدارسِ دینیہ کے موقف کو میڈیا کے ذریعے عوام تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے، مگر آہستہ آہستہ ایک کثیر تعداد نوجوان مفتیانِ کرام کی اب میڈیا کے ساتھ منسلک ہوگئی ہے اور اُن کا اوڑھنا بچھونا میڈیا بن گیا ہے۔ مدارسِ دینیہ کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت ہے کہ مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے حضرات ظاہری و باطنی ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب فرمائیں۔

کوشش نمبر: ۱۷، ''مولانا'' اور ''مفتی'' کے القابات سے احتراز کرنا

مدارسِ دینیہ کو ختم کرنے اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ کے طلباء کے ذہنوں میں عصری تعلیمی اداروں کی ڈگریوں کی اہمیت بٹھا دی جائے اور نتیجتاً وہ معزز مذہبی القابات کو استعمال کرنے سے گریز کریں۔ یہ کوشش تو سامراجی دور سے کی جاتی رہی ہے کہ لفظ ''مولانا''، ''مُلا'' اور ''مولوی'' کی تحقیر کی جائے اور عوام کو علمائے کرام سے متنفر کیا جاسکے۔

حضرت مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب دامت برکاتہم ایک سائل کے جواب میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

''''مولانا''، ''ملّا'' اور ''مولوی'' یہ الفاظ بالعموم اسلامی پیشواؤں کے لیے احترام و تعظیم کی غرض سے بولے جاتے تھے اور اب بھی شرفاء کے ہاں تعظیم کے لیے ہی مستعمل ہیں۔ کسی عالم دین کے لیے ہمارے ہاں احتراماً ''مولانا'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، افغانستان اور آزاد ریاستوں نیز ترکی تک ''دینی عالم'' کو ازراہِ احترام یا علمی فراوانی کی وجہ سے ''ملا'' یا ''منلا'' کہا جاتا تھا، ہمارے ہاں لفظ ''علامہ'' اسی کے مترادف استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا ترس ماہر علم کے لیے فارسی بولنے والے خطوں میں ''مولوی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا رہا ہے اور وہیں سے ہمارے ہاں بھی وارد ہوکر عام استعمال میں آچکا ہے، جیسے ''مولوی معنوی''، ''مولوی عبدالحق'' وغیرہ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

''مولوی اسی کو کہتے ہیں جو مولیٰ والا ہو، یعنی علم دین بھی رکھتا ہو اور متقی بھی ہو، خوفِ خدا وغیرہ اخلاقِ حمیدہ رکھتا ہو۔'' (التبلیغ، ص: ۱۳۳، جلد اول بحوالہ تحفۃ العلماء از مولانا محمد زید، جلد اول، ص: ۵۲، البرکۃ کراچی)

نیز لکھتے ہیں: ''مولوی میں نسبت ہے مولیٰ کی طرف، یعنی مولیٰ والا۔'' (ایضاً)

ہوتی ہے۔ اس بات کو شطرنج کے کھیل کی مثال سے سمجھتے ہیں۔ شطرنج کے کھیل میں جب کسی مخالف بادشاہ کو مات کرنا ہدف ہوتا ہے تو اس مخالف بادشاہ کو براہِ راست مارا نہیں جاتا، بلکہ مخالف بادشاہ کے اردگرد جتنے بھی مُہرے ہوتے ہیں ان کو شکست دی جاتی ہے اور بالآخر بادشاہ کو بھی شکست ہوجاتی ہے۔ اب مدارسِ دینیہ کے تناظر میں جو کچھ بڑے اکابر ہیں، ان کے اردگرد کچھ صاحبانِ علم کے ذہنوں کو ہی کئی سالوں کی محنت سے تبدیل کرلیا گیا ہے، جس کی وجہ سے کچھ دینی مدارس کو بحیثیتِ ادارہ کسی مسئلہ میں اپنی رائے دینے میں دشواری ہوتی رہی ہے، کیونکہ اندر ہی سے رکاوٹ ہے۔

کوشش نمبر: ۱۵، تقریبِ ختمِ بخاری ہوٹلوں میں منعقد کرنا

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ اسلاف کے طریقہ کار سے ہٹا جائے اور اسی سلسلے میں کچھ صاحبانِ علم جو کہ دیارِ مغرب سے تعلیم حاصل کر کے آئے ہیں، مدارس سے دینی تعلیم بھی حاصل کی ہے اور پھر مدارس سے منسلک ہوگئے ہیں، اکابر کے نام لیوا بھی ہیں، مگر دانستہ یا نادانستہ طور پر اکابر کے طرزِ عمل سے دوری اختیار کررہے ہیں اور تقریبِ ختمِ بخاری اب عالیشان ہوٹلوں میں منعقد ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ اس میں کافی سارے مفاسد اکٹھے ہورہے ہیں، مثلاً تصویر کشی، فلم سازی، دینی تعلیم کی روح سے ہٹ کر ظاہری شان وشوکت کو ظاہر کرنا، طعام میں دسترخوان کی ترتیب سے ہٹ کر ٹیبل کرسی کو اختیار کرنا اور مسجد کے نورانی ماحول سے نکل کر ہوٹلوں میں ایسی تقاریب کو منعقد کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ وہ حضرات یہ سارا عمل مدارسِ دینیہ میں جِدَّت لانے کے عنوان سے کررہے ہیں اور ان حضرات کا مطمحِ نظر بادی النظر میں یہ لگتا ہے کہ اُن کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ غیروں کی اچھی چیزوں کو اپنانے میں کوئی حرج نہیں۔ ہمارے اکابر کی کبھی بھی یہ سوچ اور عمل نہیں تھا کہ ظاہری شان و شوکت پر توجہ دیتے، بلکہ وہ تو اخلاص کے پیکر تھے۔ وہ روکھی سوکھی کھالیتے تھے، اسباب کے حساب سے وسائل کی تنگی تھی، مگر غیروں کی اچھی چیزوں کو بھی بِالکُلِّیَہ اختیار نہیں کرتے تھے، کیونکہ اس میں تشبہ بالکفار ہوتا، بلکہ ہمیشہ اسلاف کے طریقہ کار کو اختیار کرتے تھے۔ ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ ضرور حضرت مولانا قاری محمد طیب قدس اللہ سرہ کی کتاب ''التشبہ فی الاسلام'' کا مطالعہ فرمالیں جس میں ان تمام مضامین کا احاطہ کیا گیا ہے اور مختلف اشکالات کے جوابات شافی صورت میں دیئے گئے ہیں۔

کوشش نمبر: ۱۶، ٹی وی پروگرامز اور مخلوط محفلوں میں جانا

ایک تأثر جو مدارسِ دینیہ کے نوجوان طلبائے کرام کے ذہنوں میں ڈالا جارہا ہے، وہ یہ کہ وہ یہ سوچیں مدارس کی تعلیم سے فراغت کے بعد ان کے کیریئر کا کیا ہوگا؟! اور ہماری رائے میں یہ بھی مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی ایک خفیہ کوشش ہے، یعنی کچھ صاحبانِ علم ان نوجوان طلبائے کرام کو باقاعدہ

کوشش نمبر: ۱۴، اکابر کی رائے کو منظم طریقے سے روکنا

مدارسِ دینیہ کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش یہ ہے کہ اکابر کی کسی مسئلہ میں دی گئی رائے کو منظم طریقے سے روکا جائے۔ راقم کو ایک بہت ہی عجیب مشاہدہ ہوا اور وہ یہ کہ ایک مسئلہ سے متعلق اکابر میں سے ایک انتہائی معتبر شخصیت نے اپنی ایک رائے دی ہوئی ہے اور کئی پلیٹ فارمز پر دی ہوئی ہے جس میں تحریراً اور تقریراً دونوں ہی مواد شامل ہیں۔ راقم کو براہِ راست بھی ان بزرگ شخصیت سے بات کرنے کی توفیق ملی تو ان بزرگ شخصیت نے اپنی اُسی رائے کو راقم کے سامنے بھی دہرایا۔ اب ان بزرگ شخصیت کی رائے کو بڑے ہی منظم طریقے سے دھندلانے کی کوشش کی جارہی ہے اور یہ تأثر دینے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اُنہوں نے یہ بات کی ہی نہیں اور نہ ہی اُن کی کسی جدید مسئلہ میں ایسی کوئی رائے ہے۔ عجیب بات اس میں یہ ہے کہ ایسا کرنے والوں میں اُن بزرگ کے گرد جو کچھ حلقۂ احباب ہیں اور کچھ صاحبانِ علم ہیں، وہی یہ سب کچھ کررہے ہیں اور جان بوجھ کر منظم طریقے سے کررہے ہیں۔ اس سے راقم کے اس تشویش کو مزید تقویت ملتی ہے کہ اکابر کی اپنی ایک رائے ہوتی ہے اور اس پر وہ جمے ہوتے ہیں، مگر کچھ خاص لوگ جن کا ایک خاص ایجنڈہ ہوتا ہے، وہ اکابر کے آس پاس رہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اکابر کی اس رائے کی نفی کرتے رہتے ہیں، بلکہ ایسے تمام مواد اور لوگوں کو ان اکابر سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے ان کا نظریہ نہیں ملتا اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے یہ لوگ اپنی پوری کوشش کرکے یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی دوسری رائے اور حقائق اکابر تک نہ پہنچ پائیں اور نہ ہی اکابر کی بات عوام تک پہنچ پائے اور اگر پہنچ بھی جائے تو یہ لوگ منظم طریقے سے اس کی نفی کردیتے ہیں اور یہ تأثر دیتے ہیں کہ وہ حضرات چونکہ اکابر کے ''قریب'' ہیں، لہٰذا ان کی بات کو تسلیم کیا جائے کہ اکابر نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے اکابر کو کہ ان کو ایسے لوگوں سے متعلق فراست ہے اور اکابر کو ان تمام باتوں کا ادراک بھی ہے۔

ہماری گزارش اس تناظر میں یہ ہوگی کہ مدارسِ دینیہ کے اکابر حضرات اپنے اردگرد کے لوگوں پر خاص نظر رکھیں، کیونکہ ایسے ہی حضرات اُمت میں افتراق کا ذریعہ بنتے ہیں اور انہی حضرات کی وجہ سے دیگر اکابرین میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے ہی حضرات کی وجہ سے یہ تأثر جاتا ہے کہ اکابر کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسی سے اس تأثر کو بھی مزید تقویت ملتی ہے کہ گزشتہ کئی سالوں کی محنت سے اکابر حضرات کو ٹارگٹ کیا گیا ہے اور بجائے اس کے کہ اکابر کی براہِ راست نفی کی جائے، اکابر کے اردگرد جتنے بھی معتمد خاص لوگ ہیں، ان پر محنت کی جائے، ان کے ذہنوں کو تبدیل کیا جائے اور ''اپنے لوگ'' مدارسِ دینیہ میں امپلانٹ یعنی مدارس کے سسٹم میں داخل کیے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اکابر کو بذاتِ خود اپنے ادارے کی جانب سے اپنا موقف عوام تک پہنچانے میں مشقت

یہی پروفیسر حضرات کے پاس ہمارے مدارس کے تخصص کے فارغ ہونے والے جارہے ہیں، تو یہ پروفیسر حضرات ان کو یہی سائنسی تحقیق بھی سکھارہے ہیں اور مدارسِ دینیہ کے اندر بھی یہ غلط تحقیقی طریقہ کار رواج پڑ رہا ہے۔ نوجوان مفتیانِ کرام ''مفتی'' کے ساتھ ساتھ پی ایچ ڈی ''ڈاکٹر'' تو بن رہے ہیں، مگر ان میں سائنسی تحقیقی صلاحیت کا فقدان ہے اور مشاہدے میں یہ بات آرہی ہے کہ اب یہ نوجوان مفتیانِ کرام بھی انہی عصری تعلیمی اداروں کی نہج پر چل کر غیر معیاری پاکستانی اور غیر معیاری عالمی سائنسی جرائد میں اپنے تحقیقی مقالے چھاپ رہے ہیں۔ یہ انتہائی فکرمندی کی بات ہے کہ مدارسِ دینیہ جو کہ اپنے معیاری فقہی مقالوں کے وجہ سے معروف ہیں، اُن میں اب یہ غیر معیاری سائنسی تحقیق کا زہر داخل ہورہا ہے۔

کوشش نمبر: ۱۳، جدید محاذ پر کام کرنے والے علماء کا علماء راسخین کے طرز کو چھوڑنا

ایک ذہن سازی نوجوان مفتیانِ کرام کی یہ کی جارہی ہے کہ وہ سمجھیں کہ علمائے کرام کے دو طبقات ہیں: ایک علماء راسخین اور دوسرے جدید محاذ پر کام کرنے والے علمائے کرام اور یہ جو جدید محاذ پر کام کرنے والے علمائے کرام ہیں، بس یہی سب کچھ ہیں اور ساری قابلیت، استعداد، خیالات کی پختگی، دینی و دنیاوی علوم میں رُسوخ صرف انہی کو حاصل ہے اور انہی جدید محاذ پر کام کرنے والے علماء کرام کے اندر صلاحیت ہے کہ وہ عالمی سطح پر دیگر اقوام سے مکالمہ بھی کرسکیں اور اُمت کی جدید مسائل میں راہ نمائی بھی کرسکیں۔ نیز یہ بات بھی ذہنوں میں بٹھائی گئی ہے کہ دیگر اسلامی ممالک میں انہی جدید محاذ پر کام کرنے والے علماء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، لہٰذا اس بات کی زور وشور کے ساتھ ترغیب چلائی جاتی ہے کہ نئے نوجوان علمائے کرام اپنے آپ کو علماء راسخین سے دور رکھیں، اور علماء راسخین کی نہج پر نہ چلیں، بلکہ مختلف شریعہ سرٹیفکیشن کریں، شریعہ ایڈوائزری بورڈز کے ممبر بنیں، اپنی کمپنیاں قائم کریں، اپنے اسٹارٹ اپس قائم کریں، میڈیا پر آئیں، کانفرنسوں کا انعقاد کروائیں، اور عصری تعلیمی اداروں کے ساتھ گھل مل جائیں۔ لازمی بات ہے کہ جب اس طرح کا اتحاد اور تعامل کیا جائے گا تو تھوڑی بہت لچک کا مظاہرہ تو کرنا ہی ہوگا، یعنی پھر خواتین کے ساتھ تعامل اور اختلاط بھی ہوگا، تصویریں بھی بنیں گی، منکرات میں تھوڑا بہت شامل ہونا پڑے گا۔ دیکھیے! یہ ساری چیزیں دنیادار طبقے میں ہوتی تھیں، مگر جس سُرعت کے ساتھ نوجوان مفتیانِ کرام ان منکرات کو اختیار کررہے ہیں یہ بہت تشویش کی بات ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ذہن سازی بھی کی جارہی ہے کہ جدید محاذ پر کام کرنا علماء راسخین کا کام نہیں ہے، یہ فرسودہ اور دقیانوسی مدارس کے لوگ ہیں اور یہ معاشرے کے لیے مفید بھی نہیں، نعوذ باللہ۔ یہ تمام باتیں راقم کی ذہنی اختراع نہیں، بلکہ مشاہدات پر مبنی ہیں کہ کچھ مدارس کے نوجوان علمائے کرام کی ایک مُعْتَد بہ تعداد اس ذہنیت کی حامل ہوگئی ہے۔ اللہ پاک مدارس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

عصری تعلیمی اداروں کے فرسودہ اور غیر معیاری نظام کو اپنانے سے اپنے آپ کو بچائیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدارسِ دینیہ ان عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں سے متاثر ہوکر اسلاف کے طرزِ عمل سے صرفِ نظر نہ کریں، بلکہ اسلاف کے طریقۂ کار پر مضبوطی سے جمے رہیں۔

دیکھیے! اگر مدارسِ دینیہ کے مشیر سابق حکومتی بیوروکریٹ ہوں گے یا عصری جامعات کے پروفیسر ہوں گے تو پھر مدارس فکری ونظریاتی طور پر کہاں جائیں گے؟ یعنی یہ لوگ مدارسِ دینیہ میں وہ حکومتی وضعداری، انفرااسٹرکچر، اسٹینڈرڈ آپریٹنگ پراسیجرز تو لے کر آئیں گے، مگر فکری ونظریاتی طور پر مدارسِ دینیہ پھر اپنی اصل میراث سے دور چلے جائیں گے، لہٰذا گزارش یہی ہوگی کہ عصری تعلیمی اداروں کے نظام کو مدارسِ دینیہ ہرگز نہ اپنائیں۔ عصری تعلیمی اداروں کی فیکلیٹیز، فنڈنگ، طریقۂ تدریس، تحقیقی کام، اور ظاہری اسباب سے ہرگز متاثر نہ ہوں، بلکہ جو اسلاف کا طریقہ کار ہے اسی پر کاربند رہتے رہیں، اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے چلیں، اسی میں نجات ہے اور اسی میں مدارسِ دینیہ کی بقا ہے۔ راقم نے چونکہ انہی عصری تعلیمی اداروں میں زندگی کھپادی ہے، انہی سے پڑھا ہے، انہی میں پڑھایا ہے، ملکی وعالمی سطح پر بھی ان عصری تعلیمی اداروں میں اپنی خدمات انجام دیتا رہا ہے اور جامعات کا ویژن تک بنایا ہے، لہٰذا بڑے دردِ دل کے ساتھ یہ گزارشات کررہا ہے کہ ان عصری تعلیمی اداروں سے مدارسِ دینیہ ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوں۔

عصری تعلیمی اداروں میں تحقیق کے عنوان سے اگر مدارسِ دینیہ متاثر ہورہے ہیں تو ایک مثال سے بات واضح کرتا ہوں۔ پاکستان کے عصری تعلیمی اداروں میں کچھ پروفیسر حضرات مافیا کے طریقے پر کام کرتے ہیں اور ان کی اپنی ایک دنیا ہے، ان کو عالمی سائنسی تحقیقی دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ پاکستان کی مشہور جامعہ میں ایک جاننے والے پروفیسر ہیں، چار پانچ لاکھ ماہانہ تنخواہ، گاڑی، گھر، میڈیکل، یہ سب سہولیات ہیں، ہفتے میں ایک کورس جس کی تدریس صرف دو گھنٹے ہوتی ہے، وہ یہ کرتے ہیں، ان کی اپنی لیب ہے جس میں بیسیوں ماسٹرز کے اسٹوڈنٹس موجود ہیں اور کئی پی ایچ ڈی اسٹوڈنٹس ہیں، غرض یہ ان کی اپنی سلطنت ہے، اُن سے گاہے بگاہے بات چیت رہتی ہے اور اُن سے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ معیاری سائنسی تحقیق کریں، ایسی سائنسی تحقیق ہو جس کا معاشرے پر اثر ہو، آپ کے سائنسی مقالے دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں چھپیں، آپ کے یہاں سے ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کرنے والے طلباء کی استعداد اور معیار عالمی سطح کی ہو تو اُن کا جواب ان کے طرزِ عمل سے واضح ہے کہ دیکھیے! ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اپنی جان کھپائیں؟ کیا ضرورت ہے کہ عالمی معیار کی سائنسی تحقیق کی جائے؟ جب کام چل رہا ہے، ماسٹرز کے طلباء غیر معیاری کام کرکے ہی یونیورسٹی سے فارغ ہورہے ہیں، ڈگریاں مل رہی ہیں اور پذیرائی بھی مل رہی ہے، تو کون اس معیاری سائنسی تحقیق کا سردرد لے؟ افسوس کہ یہ وہ سوچ ہے جو کہ ہمارے عصری تعلیمی اداروں و یونیورسٹیوں میں رائج ہے، اسی وجہ سے ہم پاکستانی سائنس وٹیکنالوجی میں عالمی قوتوں کا مقابلہ نہیں کرپارہے۔ ابھی جب

پرکھنے والی کمیٹی کے سامنے اپنا سائنسی تحقیقی کام پیش کرے، اس کو ڈیفینڈ کرے اور پھر کامیابی کی صورت میں یہ کمیٹی اس کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کر دیتی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں سائنسی تحقیقی کام کی بنیاد پر ہی پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے اور جتنی اچھے معیار کی یونیورسٹی ہوگی، اور جس اعلیٰ معیار کے سائنسدان کی نگرانی میں طالب علم پی ایچ ڈی ڈگری کر رہا ہے، اُسی لحاظ سے مناقشات میں طالب علم کو مشکلات بھی پیش آتی ہیں۔ عمومی طور پر اقربا پروری یا غیر معیاری سائنسی تحقیقی کام پر یا تعلقات کی بنا پر پی ایچ ڈی کی ڈگری یونیورسٹیاں تفویض نہیں کرتیں، کیونکہ اس سے ان یونیورسٹیوں کی ساکھ پر منفی اثر پڑتا ہے، لہٰذا جو مغربی ترقی یافتہ ممالک سائنس و ٹیکنالوجی میں مسلمان ممالک سے بہت آگے ہیں، اس کی بنیادی وجہ میرٹ کو مقدم اور معیار کا قائم رکھنا ہے۔

پاکستان کے عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں بھی پی ایچ ڈی کروائی جاتی ہے، مگر ماضی کے ناخُوش گوار تجربات کی وجہ سے ہائر ایجوکیشن کمیشن نے پی ایچ ڈی ڈگری کے قواعد وضوابط سخت کر دیئے ہیں، تاکہ پاکستانی یونیورسٹیوں سے بھی اعلیٰ معیار کے پی ایچ ڈی فارغ ہوں، مگر افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ باوجود اتنی سختی کے کچھ پاکستانی یونیورسٹیوں میں ابھی بھی تعلقات اور غیر معیاری پی ایچ ڈی ڈگریوں کا رواج ہے، یعنی ایچ ای سی نے اگر شرط رکھی ہے کہ ایک یا دو تحقیقی مقالے لکھے جائیں، تاکہ معیار قائم رہے تو بعض لوگ غیر معیاری تحقیقی جرائد میں اپنے مقالے چھاپ کر اس شرط کو پورا کر لیتے ہیں۔ اگر یہ شرط رکھی ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں سے کسی پروفیسر کو ممتحن کے طور پر متعین کیا جائے تو بعض حضرات اس میں بھی تعلقات استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ طالب علم کو پی ایچ ڈی کی ڈگری آسانی سے مل جائے۔ اب اگر مدارسِ دینیہ بھی انہی یونیورسٹیوں کے نقشِ قدم پر چلیں گے تو پھر تخصص کے مناقشات بھی انہی عصری تعلیمی اداروں کے معیار کے مطابق ہونے لگیں گے۔ شروع میں تو ہو سکتا ہے کہ کچھ معیار قائم رہے، مگر پاکستانی عصری تعلیمی اداروں کا تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسی کوئی تدبیر مکمل طور پر کارگر نہ ہوگی اور پھر مدارسِ دینیہ کے تخصص کے طلباء بھی اُسی ڈگری حاصل کرنے کی ریس میں لگ جائیں گے جو کہ عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصول دین کے لوگ اپناتے ہیں، لہٰذا ہماری رائے میں مدارسِ دینیہ کو عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصول دین کی طرح ہرگز ہرگز نہ ہونا چاہیے، ورنہ مدارس کا نظام ختم ہو جائے گا۔

نیز اس بات کی ذرہ برابر بھی کوشش اور فکر نہ کریں کہ دارالافتاء سے فارغ ہونے والے متخصصین حضرات اپنے فقہی تحقیقی مقالے سائنسی جرائد میں شائع کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان عصری تعلیمی اداروں کے بیشتر پروفیسر حضرات کی اپنی کوئی عالمی سائنسی حیثیت نہیں ہے اور وہ وہی غیر معیاری سائنسی تحقیق کا معیار مدارس میں بھی رواج دیں گے، لہٰذا پیسوں کے عوض کھلی رسائی والے جرائد، اور غیر معیاری سائنسی جرائد میں تحقیقی مقالے چھاپنے سے حتیٰ الامکان گریز کیا جائے اور مدارسِ دینیہ حتی الوسع

کے ذریعے سے کچھ فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور ساتھ ہی مضرت بھی پہنچتی ہے تو مضرت سے بچنے کے لیے اس منفعت کو چھوڑ دینا ہی ضروری ہوتا ہے، ایسی منفعت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو مضرت کے ساتھ حاصل ہو۔'' (معارف القرآن جلد:۱، سورۃ بقرہ، صفحہ:۵۳۷، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

لہٰذا مندرجہ بالا فقہی ضابطہ کے تحت مسلمانوں میں عموماً اور مدارس میں خصوصاً تقویٰ کے معیار کو برقرار رکھنے کے لیے بھی کسی مشتبہ ٹیکنالوجی کی ترویج واشاعت سے اجتناب کا کہا جائے گا، کیونکہ دفعِ مضرت مقدم ہے، لہٰذا جو حضرات صاحبانِ علم مدارس میں اختلافِ آراء کی آڑ میں مشتبہ ٹیکنالوجیز کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں، اُن کو اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے۔

کوشش نمبر:۱۲، مدارس کے اندر عصری تعلیمی اداروں کے نظام کو اپنانا

کچھ مدارس میں مناقشات (تھیسس ڈیفنس) کے حوالے سے جو نئی ترتیب شروع ہوئی ہے، اس میں محتاط رویہ اپنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ اگر مکمل طور پر عصری تعلیمی اداروں کی نہج پر کیا جائے گا تو ہم سب کو علم ہے کہ عالمی سائنسی دنیا میں ہمارے اسلامی ممالک کے عصری تعلیمی اداروں کی کیا حیثیت ہے، لہٰذا مدارسِ دینیہ مناقشات کے عنوان سے عصری تعلیمی اداروں کے کُلیۃ شرعیہ یا کُلیۃ اصولِ دین کے معیارات کو اپنانے کے بجائے اپنی نہج پر قائم رہیں۔ بقول شاعر:

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب　　اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

تخصص کے طلباء کے لیے مناقشات ایک اچھی مشق ہوسکتی ہے، کیونکہ اس سے ان طلباء کی صلاحتیوں میں مزید نکھار پیدا ہوگا، مثلاً جب تخصص کے طلباء اپنا فقہی تحقیقی کام پورا کرلیں تو ملک کے نامور اور مستند مدارس کے جید مفتیانِ کرام ایک کمیٹی کی صورت میں اس طالب علم سے اس کے فقہی تحقیقی کام سے متعلق ایک ڈیفنس کی صورت میں سوال و جواب کرلیں، مگر اس میں مستند مدارس کے جید مفتیانِ کرام پر ہی انحصار کیا جائے جن کے متعلق علم ہو کہ وہ مُتَصَلِّب ہیں اور ہرگز عصری تعلیمی اداروں کے پروفیسروں اور جدیدیت سے متاثر مفتیانِ کرام کو شامل نہ کیا جائے۔

اب ہم مناقشات کے بارے میں مزید گہرائی میں جاتے ہیں۔ مغربی ترقی یافتہ ممالک میں عصری تعلیمی اداروں و یونیورسٹیوں میں جو سب سے اعلیٰ ڈگری ہے، وہ پی ایچ ڈی کی ڈگری ہے جس میں سائنسی تحقیق کرنا سکھائی جاتی ہے۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری کا دورانیہ تین سے پانچ سال کا ہوتا ہے جس میں طالب علم سائنسی تحقیقی سوالات کے جوابات ڈھونڈتا ہے اور اپنے شعبے سے متعلق نئے علم کی تخلیق و تشریح کرتا ہے۔ جب پی ایچ ڈی سپروائزر یہ سمجھتا ہے کہ طالب علم کا سائنسی تحقیقی کام کسی قابل ہوگیا ہے تو باقاعدہ ایک تھیسس ڈیفنس کے انعقاد کے ذریعے اس طالب علم کو موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ پی ایچ ڈی

کا مال نہیں لگا، بلکہ جو مُدرس صاحب تھے انہوں نے ہی وہ فیس رکھ لی؟ تو کیا وہ مُدرس اور صاحبِ علم کا مدرسہ سے تعلق نہیں؟ کیا وہ مستقل فتویٰ نویسی کا کام نہیں کرتے؟ دیکھیے! اجتہادی مسائل میں رائے رکھنے کو کسی نے منع نہیں کیا، مگر رائے رکھنے کی آڑ میں باقاعدہ ایسے مشتبہ کاروبار کے ذریعے نوجوان علمائے کرام کو اور مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام کو پیسہ کمانا سکھانے کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے؟

ہماری مؤدبانہ گزارش اربابِ مدارس سے یہ ہوگی کہ وہ دینی تحقیق اور ہُنر کے عنوان سے مشتبہ ٹیکنالوجیز کو مدارس میں پروان چڑھنے سے روکیں اور پابندی لگائیں۔ جس طریقے سے موبائل فون سے متعلق کہا گیا، اسی طریقے سے مدارس کی حدود میں اس بات کی بھی قطعی اجازت نہ دی جائے کہ وہ مشتبہ ٹیکنالوجیز کی خرید وفروخت کے کورسز کروائیں یا اس میں سرمایہ کاری کے طریقہ کار علمائے کرام کو سکھائیں۔ اسی طرح سے مدارس اینڈومنٹ فنڈ Endowment Fund کے عنوان سے صدقات وخیرات کی سرمایہ کاری مشتبہ چیزوں میں ہرگز نہ کریں۔ گو کہ مدارس اس فتنے سے کوسوں دور ہیں، مگر اس فتنے کی سرکوبی کے لیے آگاہی بہت ضروری ہے اور اقدامی قدم اُٹھانا ناگزیر ہے، کیونکہ ہمارے مشاہدے کے مطابق اندر ہی اندر بہت سارے نوجوان مفتیانِ کرام کی ذہن سازی کی گئی ہے کہ وہ کاروبار، جُوا اور سٹے بازی میں فرق ہی نہیں کر پا رہے، الا ماشاء اللہ۔

ایک نئی ذہنیت جس کو پروان چڑھایا جا رہا ہے، وہ یہ کہ مدارسِ دینیہ کے طلباء کو مختلف کمپیوٹر کورسز کروائے جائیں۔ اب ان میں کچھ ایسے کورسز بھی ہیں جن میں مشتبہ مال کمانے کا امکان ہے، لہٰذا ایک بنیادی نقطہ سمجھ لینا چاہیے کہ مدارس کے طلباء کا کام کمپیوٹر سیکھ کر پیسہ کمانا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ جو حضرات مدارس میں ان کمپیوٹر کورسز کی ترویج واشاعت کر رہے ہیں، وہ یہ راگ اَلاپ رہے ہیں کہ ایسا کرنے سے پاکستان کے مدارس سائنسی دنیا اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اقوامِ عالم سے مقابلہ کر سکیں گے، ایسا قطعاً درست نہیں، بھلا کچھ کمپیوٹر کورسز کروا کر اقوامِ عالم سے سائنس وٹیکنالوجی میں مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لیے تو اُن عصری تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کو اپنے طرزِ عمل پر غور کرنا چاہیے جن کا یہ کام ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اقوامِ عالم کا مقابلہ کریں، چہ جائیکہ مدارس کے طلباء کو اُن کے اصل کام یعنی دینی تعلیم سے دور کر دیا جائے۔

کوشش نمبر:۱۱، اختلافِ آراء کی آڑ میں مشتبہ ٹیکنالوجیز کی ترویج واشاعت

اسی طریقے سے اختلافِ آراء کی آڑ لے کر مشتبہ ٹیکنالوجیز کی خوب ترویج واشاعت کی جاتی رہی ہے اور ابھی بھی بعض لوگوں کی جانب سے کوششیں جاری ہیں، حالانکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فقہی ضابطہ لکھا ہے، وہ یہ کہ: ''جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم ہے، یعنی ایک کام

ہاں! جب کبھی مستقبل میں کوئی استثنائی صورت بعد میں پیدا ہوجائے یا چیز کی ماہیت ہی تبدیل ہوجائے تو اسی کے حساب سے حضرات مفتیانِ کرام اس مسئلہ کی مزید وضاحت وحکم ارشاد فرمادیں گے۔

لہٰذا مدارس کے منتظمین حضرات اور خاص طور پر دارالافتاء کے حضرات اس بات کا خیال رکھیں کہ جدید سائنسی مسائل پر ایسے نیوٹرل دنیا کے سائنسدانوں اور معاشی ماہرین کی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے جو کہ پروپیگنڈہ کے زیرِاثر نہ ہوں اور عالمی سطح پر سائنسدان اور معاشی ماہر تصور کیے جاتے ہوں۔ نیز مدارس کی سطح پر ایسے اصول وضوابط بنادیئے جائیں کہ جدید سائنسی مسئلہ سے متعلق تکنیکی تفصیلات اُس شعبے کے عالمی سائنسی ماہر سائنسدانوں سے معلوم کی جائیں جن کو سائنسی دنیا تسلیم کرتی ہے اور ان کا حوالہ اور ان کے نام، مقام اور اہلیت بھی ذکر کی جائے، تاکہ سائنسی اعتبار سے کوئی بات ادھوری اور نامکمل سامنے نہ آئے اور پھر سائنسی تحقیق کو سامنے رکھ کر اُس سائنسی مسئلہ کا حکم بتایا جائے۔ ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بے تحاشا نوجوان مفتیانِ کرام اس ذہن سازی سے مرعوب ہوچکے ہیں اور وہ اَب یہ برملا کہتے ہیں کہ کسی بھی نئے معاملے کو ناجائز اور حرام قرار دے دینا بہت آسان ہے، بالمقابل اس پر غور وخوض کیا جائے اور مسلمانوں کے لیے اس کے جائز ہونے کی کوئی صورت اپنائی جائے۔ دیکھیے! یہ جو ذہن سازی کی بات ہم نے پہلے عرض کی، اس کی جڑیں بہت پرانی ہیں اور اس پر گزشتہ کئی دہائیوں سے کوششیں کی جارہی ہیں۔

کوشش نمبر:۱۰، مشتبہ ٹیکنالوجی سے پیسہ کمانے کے طریقے علمائے کرام کو سکھانا

مشتبہ ذرائع سے پیسہ کمانے کے طریقے سکھانا بھی مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوششوں میں سے ایک کوشش ہے۔ راقم خود کئی مدارس کے مطبخ میں گیا ہے جہاں پر کھانا پکاتے وقت قرآن پاک کی تلاوت کا معمول دیکھا۔ اسی طریقے سے شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سوانح حیات آپ بیتی میں مدارس کے تقویٰ کے کئی واقعات تحریر فرمائے ہیں کہ اکابر کا کتنا سخت اہتمام تھا کہ مدارس کی اصل روح یعنی تقویٰ، للّٰہیت اور اخلاص مدارس میں قائم رہے۔ یہ ہمارے آج کے مدارس کی تاریخ ہے، الحمدللہ۔ ہمارے اسلاف بھی بہت احتیاط فرماتے تھے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اور اولیاء کرام کے واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے اور مشکوک سے بھی بچتے تھے۔ اگر کسی چیز کے بارے میں جید اور جمہور مفتیانِ کرام کی رائے ہو کہ وہ ناجائز ہے اور جوا، سٹے بازی اور سودی کاروبار کی ایک شکل ہے تو اس سے کم از کم مشکوک سمجھ کر بچنا تو چاہیے، چہ جائیکہ اس کی ترویج واشاعت کی جائے؟ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ جب کسی مدرسہ کے وسائل کو استعمال کیا گیا ہو، پھر وہاں جُوا اور سٹے بازی سے پیسہ کمانا سکھایا گیا ہو اور پھر وہ کورس کی فیس کی مد میں آنے والا مال مدرسہ میں لگا ہو؟ کیا یہ مال مشکوک نہیں؟ کیا ایسا مال مدرسہ میں لگنا چاہیے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ جی مدرسہ میں ایسے کسی کورس کی فیس

کا تخصص کے طلبائے کرام کو مُبیَّنہ طور پر اس منہج پر تربیت دینا کہ کسی بھی سائنسی مسئلہ پر سطحی معلومات، غیر معیاری، غیر سائنسی مواد اور سوشل میڈیا پر موجود مواد کو بنیاد بنا کر تحقیق کے عنوان سے مسئلہ بتا دینا اور پھر مصدقین دارالافتاء اور مصححین دارالافتاء کا فتویٰ لکھنے والے متخصص کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے اس فتویٰ کو جاری کر دینا، یہ مزید تشویش کی بات ہے۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہہ رہے کہ ایسا دانستہ طور پر ہو رہا ہے۔ ہماری رائے میں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں ایک نئی سوچ پروان چڑھائی جا رہی ہے جس کے اندر یہ کہا جا رہا ہے کہ مدارس ہی کے طلباء سائنسی موضوعات کے بھی ماہر ہوں گے۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

بس یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جہاں پر غلطی ہو رہی ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نوجوان مفتیانِ کرام شریعت کے بھی ماہر ہوں اور دنیا کے چوٹی کے سائنسدان بھی ہوں اور اُن کو سائنسی مضامین پر بھی پورا عبور حاصل ہو، الا ماشاء اللہ!

کوشش نمبر:۹، مستقبل کے خوف اور طعنوں سے ہر نئی ٹیکنالوجی کو جائز کہنا

مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوشش میں ایک یہ بھی ہے کہ نوجوان علمائے کرام کے ذہنوں میں یہ بات ذہن نشین کروائی جا رہی ہے کہ ڈیجیٹل ورلڈ میں ہر نئی آنے والی چیز کو جائز سمجھو۔ اس تناظر میں خاص طور پر کمپیوٹر سے متعلقہ جتنی بھی نئی ڈیجیٹل بیسڈ ٹیکنالوجیز آ رہی ہیں، یہ نوجوان علمائے کرام سب کے جواز کے قائل ہو رہے ہیں۔ یہ کہاں کی منطق ہے کہ جب اُس ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے متعلق سائنسی شواہد اور دلائل سے پتہ بھی چل جائے کہ اس میں شرعی محظور ہیں، پھر بھی ضد پر اَڑے رہنا اور اس کے جواز کے ہی قائل رہنا؟ اور جب ایسے صاحبانِ علم سے مؤدبانہ طور پر اشکال کیا جائے تو وہ حضرات یہ دلیل دیں کہ اگر ہم ابھی اس کے عدمِ جواز کے قائل ہو گئے اور اس کو ناجائز قرار دے دیا تو مستقبل میں کیا ہوگا؟ ہمیں لوگوں کے طعنے ملیں گے کہ دیکھو اولاً یہ مفتیانِ کرام ہر نئی آنے والی چیز کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور پھر کچھ عرصے میں اس کے رائج ہو جانے کے بعد اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیتے ہیں اور پھر اُسی چیز کو جائز قرار دے دیتے ہیں اور اس کا استعمال بھی شروع کر دیتے ہیں۔ پھر مزید یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر کسی نئی آنے والی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کو ہم نے ناجائز قرار دے دیا اور پھر اس کی ماہیت تبدیل ہو گئی اور لوگوں میں اس ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا اس حد تک رواج ہو گیا کہ اس سے بچنا ہی ناممکن ہوا تو پھر بھی تو ہمیں جواز کی طرف جانا ہوگا، لہٰذا ہم کسی بھی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے عدمِ جواز کی رائے نہیں دیں گے، چاہے ابھی اس میں کتنے ہی شرعی محظور کیوں نہ ہوں۔ حضرات مفتیانِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ سوچ ہی غلط ہے، کیونکہ جب کوئی مسئلہ بتایا جاتا ہے تو اس کی موجودہ صورت اور ماہیت کو سامنے رکھ کر بتایا جاتا ہے، نہ کہ مفروضات کی بنیاد پر کسی مسئلہ کا حکم بتاتے ہیں،

اہلِ مدارس کے لیے لمحہ فکریہ

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

لیکچرر کمپیوٹر سائنس ڈیپارٹمنٹ، (سی آئی ٹی) آئرلینڈ

(تیسری اور آخری قسط)

کوشش نمبر:۸، فتویٰ کی بنیاد غیر معیاری وغیر مستند سائنسی مواد پر رکھنا

مدارس کو ختم اور کمزور کرنے کی خفیہ کوشش میں ایک یہ بھی ہے کہ فتویٰ کی بنیاد غیر معیاری وغیر مستند سائنسی مواد پر رکھی جائے۔ اس عمل سے دنیا دار طبقہ میں مدارس سے متعلق نفرت جنم لے گی اور وہ یہ تأثر لیں گے کہ مفتیانِ کرام کسی مسئلہ کو بیان کرتے وقت مستند سائنسی معلومات پر انحصار نہیں کرتے۔ مدارس میں تحقیق کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی سائنسی موضوع پر بات کرنے کے لیے اس سائنسی موضوع کے ماہرین سے اس موضوع کو سمجھا جائے اور اس موضوع کی سائنسی و تکنیکی تفصیلات سمجھنے، پرکھنے اور جاننے کے بعد پھر کوئی اس مسئلہ سے متعلق شرعی تکییف کی جائے۔ ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ کچھ مدارس میں مسئلہ کی سائنسی تفصیلات جاننے کے لیے غیر معیاری اور غیر مستند سائنسی مواد پر بھروسہ کیا جارہا ہے، نیز سائنس کے بنیادی اصولوں کو بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جارہا۔ کچھ مدارس میں نوجوان مفتیانِ کرام اپنے آپ کو ترقی پسند Progressive ظاہر کرنے کے لیے ہر نئے سائنسی مسئلہ پر فتویٰ جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ سے یعنی نوجوان مفتیانِ کرام سے کس نے کہا ہے کہ کسی بھی سائنسی موضوع کے خود ساختہ ماہر بن کر ہر نئے سائنسی مسئلہ پر فتویٰ جاری کریں؟ کس نے آپ سے کہا ہے کہ مسئلہ بتاتے ہوئے، فتویٰ کی تمہید باندھتے ہوئے نوجوان مفتیانِ کرام خود سائنسدان اور معاشی ماہر بن جائیں؟ اصولی طور پر ہونا تو یہ چاہیے کہ کوئی نیا سائنسی مسئلہ بتاتے وقت کئی عالمی سائنسی ماہرین سے رجوع کرلیا جائے اور بنیادی سائنسی مآخذ کی مراجعت کرلی جائے، تاکہ فتویٰ کی سائنسی بنیاد درست ہو۔ الحمدللہ ہمیں اطمینان ہے کہ مستند دینی مدارس اور دارالافتاء میں سائنسی ماہرین اور متعلقہ شعبے کے ماہرین سے رجوع کیا جاتا ہے، جس چیز سے متعلق مسئلہ بیان کرنا ہوتا ہے، اس کی اصل ماہیت کو سمجھا جاتا ہے اور پھر اس سے متعلق مسئلہ بتایا جاتا ہے، مگر کچھ مدارس

پر محمول نہ کریں اور بخوشی اس فیصلے کو قبول کر لیں۔

تعلیم پیشہ نہیں ہے، بلکہ شیوہ اور انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے جو اپنی قوموں سے کہا کرتے تھے کہ: ''وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' (الشعراء: ۱۴۵) ''اور میں تم سے اس پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔''

لیکن دورِ غلامی سے سیکولرازم کے باعث نہ صرف یہ کہ ایک پیشہ بن گیا ہے، بلکہ بنیادی تعلیم کی حد تک یہ ایک مکروہ دھندا بن گیا ہے۔ سیکولرازم کی پروردہ کاروباری ذہنیت سرمایہ دارانہ رویوں نے بنیادی تعلیم کی اقدار کو بری طرح پامال کر دیا ہے، یہاں تک کہ اب بچے بچے نہیں رہے، بلکہ گاہک بن گئے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے کاروباری مراکز اور دھن دولت جمع کرنے والے کارخانے بن گئے ہیں۔

صرف تعلیم ہی نہیں، بلکہ تفریح کے دوران کے کھانے، صاف پانی، کتب، تحریری مواد، ملبوس، ذرائع نقل وحمل اور یہاں تک کہ بال کاٹنے کا عمل بھی منافع بخش بنا لیے گئے ہیں اور ان ذرائع سے پیداگیری کی جاتی ہے۔ مقابلے کے اس رجحان نے جہاں معیارِ تعلیم کا بیڑا غرق کر دیا ہے، وہاں معیارِ اخلاق بھی گہنا گیا ہے اور مقامی معاشرتی روایات اور تہذیب وتمدن بھی دم توڑ رہے ہیں۔

ان سب پر مستزاد بدیسی ذریعۂ تعلیم ہے جس نے زوال کی رہی کسر بھی پوری کر دی ہے اور پورا نظامِ تعلیم اس وقت صرف ایک ہلکے سے دھکے کا منتظر ہے جو اسے دھڑام سے گرا دے۔ والدین کو خوش کرنے کے لیے نجی تعلیمی ادارے سب بچوں کو ۹۹٪ شرح کامیابی سے نواز دیتے ہیں اور رقم بٹورنے کے لیے سارا سال امتحانات پر امتحانات منعقد ہوتے ہیں اور نتائج کی تقریبات کے نام پر بے ہودگی اور بدتمیزی کی بڑھ چڑھ کر نمائش کی جاتی ہے اور یوں جھوٹ، دھوکے اور فریب کو دکھاوے اور نمائش کے ذریعے اپنی کامیابی بنا کر پیش کیا جاتا ہے، تاکہ کاروبار کے حجم کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جا سکے۔

لیکن مایوسی اس لیے نہیں ہے کہ معاشرے کا صالح عنصر بھی بیدار مغز قیادت کے ساتھ میدان میں موجود ہے اور بہت کم سہی، لیکن سرعت سے ترقی پذیر مثالی تعلیمی ادارے بھی قائم ہوتے چلے جا رہے ہیں اور بہت جلد سیکولرازم کا بوریا بستر گول ہونے والا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

انتظامیہ کو بہت دقیق نظر سے دیکھنا ہوگا کہ سو فیصد بچے کامیابی کا تمغہ سینے پر سجائے گھروں کو سدھاریں۔

اس کا بہت آسان طریقہ ہے، پہلے نصابی سرگرمیوں میں کامیابیاں فراہم کی جائیں، پھر کوشش کی جائے کہ جو بچے تعلیم کے میدان میں کچھ پیچھے رہ گئے ہیں وہ کھیل کے میدان میں آگے بڑھ کر اعتمادِ نفسی حاصل کرلیں، کچھ پھر بھی ابھی آخری صفوں میں رکے ہوئے ہیں تو حمد ونعت خوانی یا تقریر یا نغمہ سرائی یا بیت بازی میں انہیں سب کے سامنے لاکر نمایاں قرار دے دیا جائے، پھر بھی اگر کچھ بچے باقی ہیں تو انہیں آرائش وزیبائش، پہیلیاں بوجھنے اور اس طرح کے دیگر شوقین قسم کے امور میں کسی نہ کسی طرح سب سے بہتر قرار دے کر انعام کا حق دار قرار دے دیا جائے۔ اُمید ہے اس کے بعد کوئی بچہ باقی نہیں بچے گا۔

بصورت دیگر انتظامیہ اپنی طرف سے اطاعت وفرمانبرداری، باقاعدگی، حسنِ لباس، ادب و احترام، پابندیِ وقت، صفائی یا کسی بھی اور اخلاق فضیلت کو معیار بنا کر اسے اعتماد فراہم کردے اور یوں سب نونہال مدرسہ سے نہال ہوکر گھروں کو لوٹیں اور اپنے والدین کو اپنی کامیابی کی داستانیں سناتے ہوئے اگلے دن ذوق وشوق سے بھاگتے ہوئے اور چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرۂ جماعت میں داخل ہوں۔

بنیادی تعلیم کی کامیابی کا ایک ہی پیمانہ ہے کہ بچہ اگلے مرحلۂ تعلیم میں اپنے شوق سے داخل ہو اور وہ اپنی نئی کتب کا منتظر ہو، اپنے نئے اساتذہ سے مسرتِ ملاقات اس کے رویے سے ہویدا ہو اور اس کے خواب نئی عمارت اور بڑے بڑے کھیل کے میدانوں کی تعبیر سے آراستہ ہوں، اس کے لیے کسی طرح کے تحریری، تقریری، زبانی یا نمائشی امتحانات کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، بہت چھوٹی عمر میں اور خاص طور پر بنیادی تعلیم کے دورانیے میں امتحانات کا انعقاد بچوں میں تعلیم کے لیے نفرت، دوری، بے رغبتی اور عدمِ اشتیاق کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ بنیادی تعلیم کی یہ عمر ماحول سے حاصل کیے گئے اثرات کے سو فیصد انطباق کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

اگر کہیں مقاصدِ تعلیم کے حصول میں کلی یا جزوی ناکامی مشاہدے میں آتی ہے تو انتظامیہ، اساتذہ، نصاب اور ماحول کو تبدیل کرنے یا ان میں بہتری لانے کی ضرورت ہے، بچے اس سے کلیتاً مبرا ہیں۔ سو فیصد بچوں کو جو دورانیۂ تعلیم مکمل کر چکے ہوں انہیں بلاتخصیص وتمیز اگلے مرحلوں میں بڑھا دینا ہی تعلیمی کارکردگی میں بہتری کی ضمانت ہوگی جو ان میں اعتماد اور شوق اور مزید آگے بڑھنے کا جذبہ بھی پیدا کرے گی۔ تاہم اگر کچھ بچے دورانیۂ تعلیم کے درمیان میں داخل ہوئے ہوں اور وہ باقی ہم جماعت ساتھیوں سے اپنے اسباق میں ابھی پیچھے ہوں تو اساتذہ کرام سے مشاورت کے نتیجے میں انہیں حالیہ درجے میں ہی روک لینا قرینِ قیاس ہوگا، تاکہ ان کی بنیاد میں پختگی لائی جاسکے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ٹھہراؤ کو اپنی ناکامی

وحسابیات اور تقابلات کو باہم جدا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ تعلیم ایک ہمہ گیر عمل ہے جس میں یہ کل عناصر مل کر ایک نظام کو متحرک رکھتے ہیں، چنانچہ صبوحی دعا میں انہیں ایک بچے کی پیروی میں اپنے روز کے اسباق دہرانے ہوتے ہیں، یہاں ان بچوں کو ادب واحترام اور اطاعت کیشی کا درس ملتا ہے، ایک بچہ تلاوت کرتا ہے باقی سب سر نیچے کیے، ہاتھ باندھے صرف سنتے ہیں۔ایک بچہ نعت سناتا ہے باقی سب ہمہ تن گوش ہوکر خاموش رہتے ہیں اور صرف سماعت کرتے ہیں۔پھر کلامِ اقبال سے ''لب پے آتی ہے دعا'' پڑھائی جاتی ہے، تین بچے پڑھتے ہیں اور ان کی متابعت میں سب بچے اسی مصرعے کو دہراتے ہیں، اس کے بعد جملہ صبوحی اسباق بھی اسی طرح اطاعت کیشی کے درس کے ساتھ یاد کرائے جاتے ہیں جن میں قومی ترانہ بھی شامل ہوتا ہے۔

سب بچوں کو باری باری آگے لاکر موقع فراہم کرنا چاہیے کہ وہ دوسرے بچوں کو یاد کرائیں، جن میں قائدانہ صلاحیتیں موجود ہوں گی وہ خود سے اور بصد شوق نکل آئیں گے۔شرمیلے، خوفزدہ، پست ہمت، دبی ہوئی شخصیت کے مالک اور سہمے ہوئے بچے اول تو نکلیں گے نہیں اور اگر زبردستی انہیں لاکر سامنے کھڑا بھی کردیا گیا تو وہ خاموش رہیں گے یا رونے لگیں گے تو اب یہ معلمین ومعلمات کا امتحان ہے کہ ایسے بچوں کو کیسے دوسرے بچوں کے ساتھ چلانا ہے۔

اس چھوٹی سی عمر میں اور ابتدائی تعلیم میں زبانی یاد کرانا بہت آسان ہوتا ہے، کیونکہ کوئی بھی سبق متعدد بار دہرانے سے ابتدائی تعلیم کی اس عمر میں بچے کی خالی تختی پر نقش ہوجاتا ہے۔موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچے کو نماز یاد کرادینی چاہیے، اسی طرح قرآن مجید کی آخری سورتیں اور کچھ زیادہ فضیلت کی بڑی سورتیں بھی بچے آسانی سے یاد کرلیتے ہیں۔بعض ابتدائی تعلیم کے ادارے پورا قرآن مجید بھی حفظ کرادیتے ہیں۔قرآن مجید کے حفظ سے دماغ اپنی استعداد سے بڑھ کر کام کرنے لگتا ہے اور اگلے تعلیمی مرحلوں میں حفاظ بچے باقی بچوں کی نسبت زیادہ سرعت سے اسباق کو ہضم کرپاتے ہیں اور روحانی برکات اس کے سوا ہیں۔ابتدائی تعلیم کے ابتدائی مرحلے صرف زبانی یاد کی حد تک یا سمعی وبصری تعلیم کی حد تک ہی ہونے چاہئیں، بعد کے مراحل میں انہیں ابتدائی خواندگی کی طرف لے جایا جائے گا جس میں حروف کی پہچان، جوڑتوڑ اور معمولی حساب بھی شامل ہے۔

مقابلے کی فضا ابتدائی تعلیم میں بہت اچھے نتائج سامنے لاتی ہے۔نصابی وہم نصابی سرگرمیوں میں جب ہم جولیوں سے مقابلہ درپیش ہو تو جیتنے کا جذبہ بچے کو اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لانے میں مددگار ومہمیز ثابت ہوتا ہے۔یہاں ایک امر قابلِ غور ہے کہ اس چھوٹی اور معصوم عمر میں شکست کے بھی بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو شخصیت میں منفی رجحانات پیدا کرنے میں دیر نہیں لگاتے، چنانچہ مدرسے کی

سے ہی اس کا خالی ذہن مشکل میں پڑ سکتا ہے۔ عقیدہ کی تعلیم اسے سنائی جائے گی اور اسے دہراتا رہے گا اور اس طرح ذہن نشین ہو جائے گی۔ ابتدائی تعلیم میں اس حد تک تربیت بھی شامل ہے کہ اسے عقیدہ پر یقین کرنے کے لیے کسی دلیل کی طرف دھکیلنے سے احتراز کیا جائے، اسے صرف یہ معلوم ہو کہ معلم یا معلمہ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اسے ازبر کرنے ہیں، کیونکہ یہ سو فیصد سچے ہیں۔ دلائل اول تو اس کی خالی ذہنی سطح سے بالاتر ہوں گے اور پھر اسے ہر بات دلائل کے ساتھ ہی ماننے کی عادت پڑ جائے گی اور اساتذہ کے لیے ایسے بچے کو ترسیلِ تعلیم مشکل میں ڈالے رکھے گی، پس اسے ''سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا'' کا خوگر ہونا چاہیے، تاکہ فرمانبرداری اس کے خالی ذہن میں سرایت کر جائے۔

بنیادی تعلیم کی چوتھی بنیاد مشاہدہ کے مطابق عقیدہ کے ساتھ اچھے اخلاق اسے عملاً سکھائے جائیں گے، تاکہ پہلے وہ اچھی طرح دیکھ لے اور پھر اسے اپنی شخصیت میں جذب کر لے، یہ ایک طرح سے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہے، مثلاً صفائی کی تعلیم دی جائے گی کہ کوڑا کرکٹ ایک خاص جگہ پر پھینکا جائے، اپنے ہاتھ، منہ، دانت، کپڑے، جوتے، کتب، کھلونے اور اٹھنے بیٹھنے کے مقامات مٹی سے پاک ہوں۔ کھانے کے آداب سکھائے جائیں کہ سب مل جل کر ایک برتن میں کھاتے ہیں، پہلے دوسروں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، دائیں ہاتھ سے لقمہ توڑتے ہیں، اپنے سامنے سے کھایا جاتا ہے، آخر میں برتن صاف کرتے ہیں، خواہ انگلی سے ہی کرنا پڑے، برتن واپس اپنی جگہ پر رکھتے ہیں، کھانے سے پہلے، درمیان اور آخر میں پڑھی جانے والی دعائیں اور اکل و شرب کے دیگر مسنون طریقے ان کی تربیت کا حصہ ہوں۔

ابتدائی تعلیم کے اگلے مرحلوں میں بچوں کو ادارے سے باہر لے جایا جائے گا اور انہیں سڑک پار کرنے کی، سڑک سے ہٹ کر طریق القدم پر چلنے کی، اپنے دائیں طرف اور دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے اور میانہ چال سے چلنے کی تربیت بھی دی جائے گی۔ مزید اگلے مراحل میں پرندوں، جانوروں اور باغیچے میں پودوں کی نگہداشت وغیرہ کے عملی اسباق ان کی تربیت کا حصہ بنیں گے۔

خود شناسی بنیادی تعلیم کا پہلا اہم عنصر ہے، یہاں اولاً تو بچے کا نام اسے یاد ہونا چاہیے جو اس کی اولین اور جداگانہ شناخت ہے، اس کے بعد اسے اس کا لڑکا یا لڑکی ہونے کا احساس ہونا چاہیے، چنانچہ انتظامیہ کچھ ایسے انتظامات ضرور بجالائے جن سے بچوں کے اپنے فطری امتیازات کا احساس بیدار ہو، جیسے بچوں اور بچیوں کی علیحدہ قطاریں، علیحدہ وردی، ان کے علیحدہ نشستی انتظامات یا مقابلوں کی صورت میں جداگانہ مقابلے وغیرہ۔

بنیادی تعلیم کے باقی عناصر خمسہ: خود شناسی، خدا شناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات و مبادیاتِ لسان

گے تو وہ بہت شاندار نفسیات کا مالک، خوشگوار طبیعت کا خوگر، حسنِ خلق کا مرقع، مرجعِ خلائق اور معاشرے میں کامیاب اجتماعی کردار ادا کرنے کی سند امتیاز لے کر تعلیم کے اگلے مرحلوں میں قدم رکھے گا۔

اس کے برعکس اگر اس کی ابتدائی تعلیم صرف دو یا چار ہاتھوں میں ہوئی، اور اس کے والدین بھرا پورا گھر، خاندان، قبیلہ اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر اور اپنی اَنا کو پوجتے ہوئے اس کو اتنے بڑے فطری ابتدائی تعلیمی ادارے سے نکال کر اور ایک مختصر ترین عمارت میں سدھار لائے تو اس کی ابتدائی تعلیم میں جو کمی، کوتاہی، خامی اور خلارہ جائیں گے وہ کبھی بھی پورے نہیں ہوں گے، بلکہ اس کی اگلی نسلوں تک میں بھی منتقل ہوتے رہیں گے اور وہ تنہائی پسند، کم ظرف، اپنی ذات میں گرفتار، آدم بیزار، نفسیاتی دباؤ کا شکار، اجتماعیت سے خوفزدہ، دوسروں سے بے نیاز اور کافی حد تک خودغرض واقع ہوگا، الا ماشاءاللہ۔

ابتدائی تعلیم کی دوسری بنیاد معصومیت کے ساتھ ایک خاص عمر میں بچے کو رسمی تعلیمی ادارے میں داخل کردیا جاتا ہے، یہ وہ عمر ہوتی ہے جب بچہ اپنی حوائجِ فطریہ سے واقف اور کسی حد تک خودکفیل بھی ہو چکا ہوتا ہے، عمومی طور پر یہ ساڑھے تین سال کی عمر ہوتی ہے، لیکن اس میں کمی بیشی کی گنجائش ممکن ہے۔

ابتدائی تعلیم میں بچے کی تربیت میں یہ قربانی شامل ہے کہ وہ چند گھنٹے کے لیے ماں کی گود چھوڑ کر اپنے ابتدائی تعلیم کے ادارے میں آجاتا ہے۔ ابتدا میں معصوم بچے پر یہ تبدیلی بوجھل ہوتی ہے، کچھ بچے اس کا اظہار بھی کرتے ہیں اور ابتدائی تعلیم کے ادارے میں جاتے ہوئے روتے ہیں، ٹانگیں چلاتے ہیں، شور مچاتے ہیں اور ان کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی طرح گھر کو لوٹ جائیں، جو فرد انہیں چھوڑنے جاتا ہے اس سے چمٹے رہتے ہیں یا پھر تقاضا کرتے ہیں کہ یہ بھی ادارے میں رک جائے، لیکن کچھ بچے بظاہر اظہار نہیں کرتے، لیکن خاموش رہتے ہیں، سہمے ہوئے اور ڈرے ہوئے رہتے ہیں، اپنا بستہ اور کتابیں کاپیاں سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں، کیونکہ اس اجنبی ماحول میں یہی بستہ اس کا اپنا ہے اور باقی سب ناآشنا اور غیر ہیں اور اگر اسی ادارے میں ان کا کوئی بھائی، بہن، پڑوسی یا رشتہ دار پڑھتا ہو تو وہ چاہتے ہیں کہ اسی کے ساتھ جا کر بیٹھ جائیں۔ یہ بچے ادارے کے بند ہونے اور چھٹی کے وقت کا بہت بےتابی سے انتظار کرتے ہیں اور دوڑ لگا کر ایسے نکلتے ہیں جیسے انہیں باندھ کر رکھا گیا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی اپنے ہم جولیوں سے دوستیاں ہوجاتی ہیں اور معلم اور ماحول سے مانوس ہوجاتے ہیں اور پھر شوق سے بھاگتے ہوئے مدرسے جاتے ہیں اور وہاں بہت اچھا وقت گزارتے ہیں، یہ ان کی معصومیت کا ایک اور پرتو ہے۔

ابتدائی تعلیم کی تیسری بنیاد خالی الذہنی ہے، اس میں بچے کو سب سے پہلے عقیدہ یاد کرایا جاتا ہے، یہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ صرف مثبت پہلو یاد کرائے جائیں، کیونکہ منفی پہلوؤں کے باعث ابتدا

بھر کے لیے امر ہو جاتا ہے، چنانچہ دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کے دائیں کان میں اذان دے کر اسے ابتدائی و اولین تعلیم میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور درسِ توحید سے آشنائی فراہم کر دی جاتی ہے اور بائیں کان میں اقامت کہہ کر اسے نماز جیسی بزرگ عبادت کا تعارف کرا دیا جاتا ہے، جو عمر بھر کا ایک وظیفہ ہے جو اسے تا حیات اور تا دمِ مرگ جاری رکھنا ہے کہ روزِ محشر سب سے پہلے اسی کے بارے میں پرسش ہونی ہے۔

اذان اور اقامت کے ابتدائی اسباق اس کے تاریک دماغ میں روشنی کا باعث بنتے ہیں اور اس کا قلب ونظر وذہن وفکر نور سے بھر جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا:

''اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔''

(البقرۃ:۲۵۷)

ترجمہ: ''اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، یہی لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

لیکن ابتدائی تعلیم ابھی نامکمل ہے، کیونکہ معلم کی تعیناتی ابھی باقی ہے، چنانچہ خاندان کے کسی نیک ومتقی ودیندار بزرگ مرد یا خاتون کے ہاتھوں شہادت کی مقدس انگلی سے گھٹی دی جاتی ہے، تاکہ بزرگ کی نیک فطرت اس نومولود میں عود کر آئے۔ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران بچوں کو گھٹی کے لیے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تھا اور روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت مبارک سے بچے کے تالو پر شہد لگا دیتے تھے، جسے وہ چاٹتا رہتا تھا۔ یوں ابتدائی تعلیم کا قیمتی ترین مرحلہ ایک غیر رسمی تعلیمی ادارے میں شروع ہو جاتا ہے۔

اس عمر میں بچے کا ذہن بالکل اور کلیتاً خالی سلیٹ اور صاف تختی کی مانند ہوتا ہے، بظاہر بچہ سو رہا ہوتا ہے، یا خاموش ہوتا ہے یا صرف دائیں بائیں دیکھتے ہوئے نظر آتا ہے یا خود سے کھیل رہا ہوتا ہے اور مصروفِ محض ہوتا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ سارا ماحول، آوازیں، مناظر اور خورد ونوشت وغیرہ اس کے ذہن پر اپنے قوی نقوش چھوڑ رہے ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ آنے والے دنوں میں اس کی شخصیت اور یقینی طور پر اس کے کردار کا حصہ بن جائے گا۔ بچہ اپنے ابتدائی دنوں میں گویا ابتدائی تعلیم کے ایام میں بہت سے ہاتھوں میں کھیل رہا ہوگا، ہر کوئی اسے گود لینے کے لیے بے تاب ہوگا، ہر کوئی اس کی خدمت داری میں سبقت لے جانا چاہے گا، وہ نیند میں ہوگا تو اس کے جاگنے کا بے تابی سے انتظار ہوگا، اسے کھلانے، پلانے، نہلانے، دھلانے، پہنانے، اوڑھانے، سلانے اور لاڈ پیار کے لیے بہت سے ہاتھ بڑھ بڑھ کر اسے تھامتے ہوں

میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتی، لیکن انسان اپنی بے اعتدالیوں اور حدوداللہ سے گزر جانے والے نافرمانی کے رویوں کے باعث خدائی تخلیق میں بگاڑ کے اثرات کا بری طرح سے سامنا کرتا ہے اور پریشانیوں کا شکار ہو رہتا ہے۔

ماں کے پیٹ میں ابتدائی تعلیم پر ماں کے اثرات ماضی میں تو قصے کہانیاں ہی سمجھے جاتے تھے، لیکن اب عصری طبی ماہرین اور ماہرینِ نفسیات نے اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اس دوران اگر ماں خوش باش رہے گی، مطمئن رہے گی، کھاتی پیتی اور سیر وسیاحت بھی اس کے معمولات میں شامل رہیں گے اور آرام، چین وسکون کے ساتھ ساتھ اس کی جملہ ضروریات وخواہشات بھی پوری ہوتی رہیں گی تو نومولود بھی طبی و جذباتی و ذہنی ونفسیاتی طور پر صحت مند ہوگا، بصورتِ دیگر چڑچڑاپن، بیماریاں، کمزوریاں اور عدمِ برداشت کے مکروہ تحفے ماں کے پیٹ سے جنم لینے والا ساتھ لائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اس طرح بنائی ہے کہ بہت کچھ انسان کے حواسِ خمسہ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور اسے ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' کی تلقین کی گئی ہے۔ غیب کی ان اخبار میں جو حواسِ خمسہ کی دسترس سے باہر رکھے گئے ہیں ایک روحانی دنیا بھی ہے۔ روحانیت بھی بتاتی ہے کہ باپ سے وابستہ رزقِ حلال اور ماں کے اثرات براہِ راست پیٹ میں ابتدائی تعلیم پر مثبت ہو رہے ہوتے ہیں۔

اگر ماں ابتدائی تعلیم کے اس دورانیے میں پاک صاف رہے گی، عفت و پاکدامنی اس پر ختم ہوگی، صوم وصلوٰۃ کی پابند رہے گی، اذکار ودعواۃ وتسبیحات ووظائف اس کے معمولات کا حصہ ہوں گے، تلاوتِ قرآن مجید میں ناغہ نہیں کرے گی، اپنی خانگی ذمہ داریاں وخدمت گاریاں بھی مقدور بھر ادا کرتی رہے گی اور کسی تکلیف پیش آجانے کی صورت میں ہائے وائے اور چیخنے چلانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھے گی تو وہ نیک اولاد کو جنم دے گی اور اس کے رحم میں ابتدائی تعلیم کی خواندگی تقویٰ اور پاکبازی سے عبارت ہوگی اور بصورتِ دیگر یہ دنیا فساق وفجار اور رجل الدرہم والدینار اور پیٹ کی خواہش اور پیٹ سے نیچے کی خواہش کے پجاریوں سے بھری پڑی ہے جن کے لیے قرآن نے کہا ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ''

جنم لیتے ہی ابتدائی تعلیم کا اگلا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ مرحلہ کم وبیش دس سالوں تک محیط ہوتا ہے، جس کے بعد پھر ثانوی تعلیم کے مراحل شروع ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی چار بنیادیں: اوائلِ عمری، معصومیت، خالی الذہنی اور مشاہدہ ہیں اور ابتدائی تعلیم کے چھ عناصر: خودشناسی، خداشناسی، حفظ، بنیادی اخلاقیات اور مبادیاتِ لسان وحسابیات اور تقابلات ہیں۔ ابتدائی تعلیم کی پہلی بنیاد اوائل عمری میں اولین جو کلام کانوں کے راستے دماغ کی گہرائیوں اور تاریکیوں تک پہنچتا ہے وہ پتھر پر لکیر کی طرح اَن مٹ اور عمر

عصرِ حاضر اور بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت

ڈاکٹر ساجد خاکوانی
اسلام آباد

ابتدائی تعلیم کا آغاز عہدِ الست کے ساتھ ہو گیا تھا، جب روحانی وحقیقی وجود ملتے ہی سب سے پہلے معرفتِ رب عطا کی گئی تھی اور ایک وعدہ لینے کے بعد اس دنیا میں بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ تاہم اگر کہا جائے کہ ابتدائی تعلیم کا آغاز ماں کے پیٹ میں ہی ہو جاتا ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے فطرت ہی تعلیم یا ابتدائی تعلیم کا آغاز کرتی ہے اور ہر ہر عضو کو اس کا فرضِ منصبی ازبر کراتی ہے۔ آنکھوں کو دیکھنا سکھایا جاتا ہے، کانوں کو سننا سکھایا جاتا ہے، دل کو دھڑکنا اور معدے کو جہاں ہاضمہ کی ذمہ داری سونپی جاتی، وہاں جگر کا کام خون کی فراہمی ہوتا ہے اور گردوں کو خون صاف کرنے کا فن اس ابتدائی تعلیم میں ودیعت کیا جاتا ہے، علیٰ ہٰذا القیاس۔ قدرت کے کام میں کوتاہی تلاش نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اللہ نے سورۂ ملک میں کہا:

''اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَّا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ۔'' (الملک)

ترجمہ: ''جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے، تو رحمٰن کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا، تو پھر نگاہ دوڑا، کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ کر، تیری طرف نگاہ ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہوئی ہوگی۔''

جس نے پوری کائنات بغیر کسی خامی کے بنائی ہے اور اسے بطور مثال انسان کے سامنے پیش کیا اس کا تخلیق کردہ اشرف المخلوقات تو بلاشبہ ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' (والتین: ۴) ''بے شک ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ اس فنِ تخلیق کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی اولین وحی کے ساتھ تذکرہ کیا اور ماں کے پیٹ کے دورانیہ کا ہی تذکرہ کیا جہاں انسان فطرت کی طرف سے اپنی ابتدائی تعلیم کے مراحل سے گزر رہا ہوتا ہے۔ قدرت تو اپنے کارِ تخلیق

چنانچہ سورۂ اعراف کی آیتِ کریمہ ''وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ط'' (الاعراف:۱۳۷) میں اور سورۂ دخان کی آیتِ کریمہ ''وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ'' (الدخان:۲۸) میں اسی انتقالِ وراثت کا اعلان ہے۔ وراثت کا لفظ تو تبدیلیِ ملک پر دلالت کرتا ہے، چہ جائیکہ اس سے کسی قوم کی ابدی ملکیت کا حق ثابت ہو۔

نیز اگر حقِ ملکیت فرض کر بھی لیا جائے تو یہود کے لیے ارضِ مقدس کا استحقاق ایمان اور عملِ صالح کے ساتھ مشروط تھا۔ قرآنی بیان کے مطابق یہ شرط زبور میں بیان کی گئی تھی:

''وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ'' (الانبیاء:۱۰۵)

''اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔''

یہود نے حضور ﷺ کی رسالت کو جھٹلایا اور آپ کی جان کے درپے رہے، آپ سے دشمنی رکھی، یہود کے یہ سارے کفریہ اعمال ان کو ارضِ مقدس کے اعزازی استحقاق سے محروم کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد واضح ہوا کہ ان دو آیات میں کسی بھی طرح یہود کا حقِ تملیک ثابت نہیں ہوتا، ہاں! یہود کے لیے یہ مقامِ فرحت ضرور ہوگا ان کے من کی بات اُن سے بہتر طریقے سے کرنے والے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں، فَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكٰى۔

غیروں پہ کرم اپنوں پہ ستم
اے جانِ وفا! یہ ظلم نہ کر

نے وہ کنجیاں حضور ﷺ کو دے کر اس کا مالک امّتِ محمدیہ کو بنادیا، چنانچہ عہدِ فاروقی میں اس سرزمین نے مسلمانوں کے فاتحانہ قدموں کا استقبال کیا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوۂ خندق (کی کھدائی) کے موقع پر ایک سخت چٹان آڑے آگئی، جس پر کدال اچٹ جاتی اور چٹان ٹوٹتی نہ تھی، ہم نے آپ سے شکوہ کیا، آپ ﷺ تشریف لائے، کدال لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی (تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے ملکِ شام کی کنجیاں دی گئی ہیں، واللہ! میں اس وقت وہاں کے سنہرے محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔'' یہ بشارت عہدِ فاروقی میں مکمل ہوئی، قرآن وسنت کی ان نصوص کو نظر انداز کر کے کتابِ مقدس کے محرفہ مندرجات کو سامنے رکھ کر یہود کے دعوائے استحقاق کی فکری عمارت کھڑی کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔

دوسرے استدلال پر ایک نظر

ارضِ مقدس پر قومِ یہود کے حقِ تملیک کے لیے دوسرا استدلال اس آیتِ کریمہ سے پیش کیا جاتا ہے:

''وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ط'' (الاعراف:۱۳۷)

''اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے۔''

آیتِ کریمہ کے لفظِ وراثت سے یہود کے دعوائے حقِ تملیک کا استدلال کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ لفظ آیتِ کریمہ میں فقہی اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں ہوا، بلکہ یہ تعبیر محض عطاء الٰہی اور بلا مشقت نوازنے کے لیے استعمال ہوئی ہے، اس لفظ سے ابدی حقِ تملیک کی نکتہ آفرینی درست نہیں ہے، کیونکہ یہی لفظ فرعون کے لیے بھی استعمال ہوا ہے، جسے اللہ نے ارضِ مصر کی وراثت سے نوازا تھا، پھر اس سے چھین بھی لی تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرعون کے ظلم وستم پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۗ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ'' (الاعراف:۱۲۸)

''موسیٰ ؑ نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، ساری زمین اللہ کی ملکیت میں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے وارث بنادیتا ہے اور اچھا انجام ایمان والوں کا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے امرِ تکوینی سے دنیاوی جاہ ومنصب سے جسے چاہے نوازتا رہتا ہے، خواہ وہ کافر ہو یا مؤمن، ہاں حسنِ انجام صرف اہلِ ایمان کا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک طرف اقتدار کے تکوینی ہونے کی طرف اشارہ فرمایا اور دوسری طرف اسرائیلیوں کو اُمید دلائی کہ یہ تکوینی فیصلہ تمہارے حق میں بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تمہیں اس کا وارث بنا کر اس کا اقتدار تم میں بھی منتقل کرسکتا ہے۔